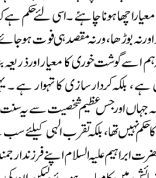

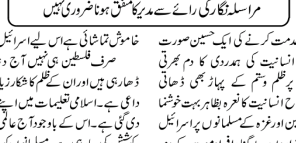

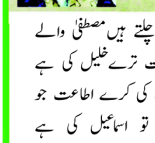

اقوال زریں

حضرت لقمانؑ

□ جب خلقت کے پاس آؤ تو زبان کی نگہداشت کرو □ مصائب سے مت گھبراؤ کیونکہ ستارے اندھیرے ہی میں چمکتے ہیں □ حکمت و دانائی مفلس کو بادشاہ بنا دیتی ہے □ جو بات دشمن سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو، دوست سے بھی پوشیدہ رکھو ہوسکتا ہے کبھی وہی تمہارا دشمن ہوجائے □ جدوجہد نہ کرنا محتاجی کا باعث ہوتا ہے اور محتاجی دین کو تنگ، عقل کو ضعیف اور مروت کو زائل کردیتی ہے □ وقت کی اگر قیمت ہے تو وہ اس کا صحیح استعمال ہے □ کوئی چیز تیرے نزدیک نعمت آخرت سے محبوب تر نہ ہو □ خاموشی کو اپنا شعار بنا تاکہ شر زبان سے محفوظ رہے۔

روزنامہ راشٹریہ سہارا
ROZNAMA RASHTRIYA SAHARA KANPUR

عیدالاضحیٰ کا تہوار

عیدالاضحیٰ یا عید قرباں صرف ایک تہوار ہی نہیں، بلکہ سنت ابراہیمی کو تازہ کرنے کا عظیم موقع اور اسوہ ابراہیم کو فراموش نہ کرنے کے عہد کی تجدید ہے۔ یہ تہوار ہماری زندگی میں ہر سال آتا ہے اور ایثار و قربانی کے جذبات کو فروغ دیتا ہے۔ عیدالاضحیٰ کا بنیادی فلسفہ ہی قربانی، ایثار، خلوص اور اللہ کی راہ میں اپنی عزیز ترین چیز کو اس طرح نچھاور کرنا، کہ ان کا مقصد صرف اللہ کی خوشنودی اور رضا کا حصول ہو۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہ ہو۔ مسلمان عیدالاضحیٰ میں صرف قربانی نہیں کرتا ہے، بلکہ قربانی سے پہلے یہ عہد کرتا ہے کہ 'میری نماز، میری عبادات، میرا جینا، میرا مرنا اُس رب العلمین کیلئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں'۔ عیدالاضحیٰ میں صرف جانوروں کی قربانی نہیں کرتے، بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کی بھی قربانی دینی ہوتی ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ ثابت کرکے دکھادیا کہ ان کا اپنے رب سے تعلق اولاد کی محبت سے زیادہ ہے، جس کیلئے وہ کسی بھی حد تک جاسکتے ہیں، یہاں تک کہ اپنی اولاد کو قربان بھی کرسکتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہمیں بھی اپنی اولاد سے زیادہ اپنے رب سے تعلق کو قائم کرنا ہوگا۔ اسی میں امت مسلمہ کی کامیابی مضمر ہے۔ تہوار منانا اور خوشیوں کا اظہار بہت قدیم روایت ہے، جو ہر قوم اور ہر دور میں پائی جاتی ہے، لیکن اسلام کے 2 تہوار عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ خوشیوں کے ساتھ ساتھ بہت سارے پیغام اور جذبات رکھتے ہیں۔ یہی ان تہواروں کی خصوصیت اور روح ہیں، یہی وجہ سے اسلامی تہواروں کی دنیا کی باقی اقوام کے تہواروں سے منفرد حیثیت ہے، جسے ہر کوئی دیکھتا اور محسوس کرتا ہے۔ اسلامی تہواروں کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ ان کا آغاز عبادت سے ہوتا ہے، جس میں اخوت و بھائی چارے اور اتحاد کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ قربانی اللہ کا ایسا پسندیدہ عمل ہے، جس کا کوئی بدل نہیں ہے اور ایام قربانی میں قربانی سے زیادہ محبوب عمل کوئی اور نہیں ہے۔ قربانی میں دکھاوا اور ریاکاری کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ نہ ہی قربانی کے بعد جانور کا پورا گوشت طویل عرصے تک اپنے پاس رکھ کر کھانا چاہئے۔

عیدالاضحیٰ پر کی جانے والی قربانی جہاں فی نفسہ ایک عظیم عبادت اور بندگی ہے، وہیں یہ قربانی امت مسلمہ کو عظیم الشان سبق دیتی ہے۔ ہر صاحب استطاعت مسلمان پر قربانی واجب ہی نہیں، بلکہ گوشت کا ایک حصہ غریبوں میں اور دوسرا حصہ رشتہ داروں میں تقسیم کرنا چاہئے، نہ کہ پورا گوشت اپنے پاس رکھ لینا چاہئے، بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ کوئی بھی قربانی کے گوشت سے محروم نہیں رہے۔ قربانی کے جہاں بہت سے فضائل بیان کئے گئے ہیں، وہیں صاحب استطاعت ہونے کے باوجود قربانی نہ کرنے پر ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے۔ قربانی کی حقیقت اور اس کے پیچھے سوچ اور اصل مقصد یہی ہوتا ہے کہ دل میں جس چیز کی محبت اور طلب ہو وہی اللہ کی خاطر قربان کردی جائے۔ قربانی کیلئے جانوروں کے انتخاب کی کافی اہمیت ہے۔ ایسا نہیں کہ کسی بھی جانور کی قربانی کردی جائے۔ قربانی جتنی عظمت والی ہے، جانور بھی اتنا ہی اچھا ہونا چاہئے۔ ظاہری بات ہے کہ اللہ کی راہ میں کی جانے والی قربانی کے جانور کا معیار اچھا ہونا چاہئے۔ اسی لئے حکم ہے کہ جانور بے عیب ہو، تندرست اور توانا ہو، نہ بچہ ہو اور نہ بوڑھا، ورنہ مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔ یہ معیار اللہ تعالیٰ نے خود مقرر کیا ہے، نہ کہ ہم اسے گوشت خوری کا معیار اور ذریعہ بنالیں۔ عیدالاضحیٰ کوئی گوشت خوری کا تہوار نہیں ہے، بلکہ کردار سازی کا تہوار ہے۔ یہی اس تہوار کا مقصد بھی ہے اور پیغام بھی، کیونکہ جہاں اور جس عظیم شخصیت سے یہ سنت جاری ہے، وہاں سے گوشت خوری کیلئے قربانی کا حکم نہیں تھا، بلکہ تقرب الٰہی کیلئے سب سے محبوب اولاد یعنی انسان کی قربانی کا حکم تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند ارجمند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی دینے کی آزمائش میں کامیاب ہوئے، لیکن ان کی یاد میں اللہ تعالیٰ نے جو سنت جاری رکھی، اس میں باری تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے انسانی جان کی قربانی کی آزمائش میں مبتلا نہیں کیا، بلکہ کسی جانور کی قربانی کرکے اپنی جان کا فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا۔ یہ بہت بڑی رعایت ہے۔ اس لئے جو جانور قربان ہوتے ہیں، وہ انسانی قربانی کے بدل کی حیثیت رکھتے ہیں، تو وہ جانور معیوب کیسے ہوسکتا ہے؟

ہمیں نہیں بھولنا چاہئے کہ صفائی نصف ایمان ہے، لیکن دیکھا جاتا ہے کہ قربانی کے موقع پر ہم اکثر گندگی کے ذریعہ ایک الگ ہی پیغام دیتے ہیں۔ باقیات کو ٹھکانے لگانے کا کوئی اہتمام نہیں کرتے، جبکہ ہماری کوشش ہونی چاہئے کہ ہمارے عمل سے دوسروں کو مثبت پیغام ملے اور کسی کو تکلیف نہ پہنچے۔ سوشل میڈیا کے دور میں قربانی کی تصاویر بھی شیئر کرنے کرنے سے بچنا چاہئے۔ ایسا کرنے سے نہ تو مقصد حاصل ہوتا ہے اور نہ اس پیغام کے ہم حقدار ہو پاتے ہیں، جو یہ عظیم تہوار دیتا ہے۔

edit2sahara@gmail.com

کیا حج کے حقیقی مقاصد سے مسلم دنیا دور ہوچکی ہے؟

ڈاکٹر محمد ضیاء اللہ

منظر نامہ

اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک حج ہے جس کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ اس کے کئی پہلو ایسے ہیں جو اس کو دیگر عبادات سے ممتاز بناتے ہیں۔ اس تحریر میں حج کے مالی اور بدنی عبادت ہونے کے پہلوؤں کا ذکر نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس کے لئے مؤقر علماء عظام کی تحریریں اور تقریریں موجود ہیں جن کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ اس کالم میں حج کے سیاسی اور عالمی مسائل کے حل سے متعلق پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ اس کا ایک خاص پس منظر ہے کہ اس برس عیدالاضحیٰ اور حج کا موسم ایسے وقت میں آیا ہے جب ایک طرف بیت اللہ کی طرف سفر کرنے کی استطاعت رکھنے والے تقریباً 20 لاکھ مسلمان اپنے رب کے حکم سے حج کے رکن اعظم کی ادائیگی کے لئے پہنچے ہوئے ہیں جہاں وہ ایک ہی وقت میں، ایک لباس میں ملبوس، ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کرکے اپنے رب واحد کو پکار رہے ہیں اور قلباً و قالباً اس بات کا اعلان اور اقرار کررہے ہیں کہ وہ اتحاد و یگانگت کی زندہ اور بولتی ہوئی تصویر ہیں۔ وہیں دوسری طرف فلسطین و غزہ میں 23 لاکھ غیور مسلمان جو مسجد اقصیٰ کی حفاظت کی عظیم ذمہ داری نبھا رہے ہیں اور اپنی جان و مال سے ہر طرح کی قربانیاں پیش کررہے ہیں ان کے مسائل کو حل کرنے میں پوری مسلم دنیا نہ صرف ناکام و نامراد اور بے بس ہے بلکہ ان فلسطینیوں کے قاتلوں کے ساتھ خفیہ و اعلانیہ طور پر سانٹھ گانٹھ کرتی نظر آتی ہے۔ اس سے کیا پیغام دنیا کی باقی قوموں تک پہنچتا ہے؟ کیا اس عمل سے اس کا اشارہ نہیں ملتا کہ حج کے موقع پر ظاہری ڈھنگ سے ایک رنگ میں رنگی ہوئی امت جو ایک ہی قبلہ اور ایک ہی نعرہ کے ساتھ اپنے رب واحد کے سامنے کھڑی ہوتی ہے اور یہ اعلان کرتی ہے کہ وہ حاضر ہے دراصل کھوکھلے اتحاد کا مظہر بن چکی ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ حج دراصل محض ایک سالانہ رسم بن چکا ہے اور اس کی روح کو خود اس امت نے پامال کردیا ہے کہ اس کے ظاہر کا اتحاد اس کے باطن کے انتشار کو واضح کرتا ہے اور اس کے اندرون کی کمزوریاں اس کی پالیسیوں کی ناکامی کی شکل میں ظاہر ہورہی ہیں اور اس کی قیمت امت کے وہ نونہال اور خواتین پیش کرتی ہیں جن کی تحفظ کی ذمہ داری زمام قیادت و خلافت الٰہی سنبھالنے والوں کے کاندھوں پر ڈالی گئی تھی؟ اس صورت حال سے اگر امت دوچار ہے تو اس کے لئے کس کو ذمہ دار مانا جانا چاہئے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس دور میں جس طرح امت کے قائدین نے دیگر تمام دینی و اسلامی ذمہ داریوں سے دست بردار ہوکر صرف اپنے محدود حلقہ اختیار پر قانع رہنا پسند کرلیا ہے اسی طرح اس امت کی اکثریت جن میں علماء و دعاۃ، دانشوران اور عامۃ المسلمین سبھی شامل ہیں انہوں نے بھی حج کے مقاصد کو طاق نسیاں میں ڈال کر صرف اس کو ایک سالانہ رسم کے طور پر باقی رکھ چھوڑا ہے؟ یہ ایسے سوالات ہیں جن کا جواب تلاش کئے بغیر یہ امت اپنی ذلت کے گہرے غار سے باہر نہیں آسکتی۔ اس کا علاج یہ ہرگز نہیں ہے کہ مشرق وسطیٰ سے امریکی و مغربی اثر و رسوخ کے خاتمہ کے بعد عرب اور مسلم دنیا چین و روس کا دامن تھام لے۔ اس سے مسلم دنیا کے مسائل میں کمی نہیں آئے گی۔ اس کے برعکس اگر امریکہ کی فکری و عسکری اور سیاسی ماتحتی سے پیچھا چھوٹے گا تو ان تمام محاذوں پر چینی و روسی بالادستی کو قبول کرنا پڑے گا جس کے اپنے تہذیبی و ثقافتی منفی نتائج ہوں گے۔ مسلم دنیا کو اس حقیقت کو قبول کرنا ہوگا کہ وہ ایک ایسی امت ہے جس کا اپنا پیغام ہے اور اس کو اقوام عالم کے مسائل کے بہتر حل کے لئے باور کیا گیا ہے۔ مناسک حج کی ادائیگی کے دوران مسلمان اپنے اتحاد کی جو شاندار تصویر پیش کرتے ہیں اس کے پیچھے ایک نہایت تکلیف دہ حقیقت چھپی ہوئی ہے جس کا واضح عکس ہمیں غزہ و فلسطین پر اسرائیل کے ناجائز اور غاصبانہ قبضہ کی شکل میں نظر آتا ہے۔ دنیا کے باقی حصوں میں بھی مسلمانوں کی جو حالت زار ہے اس کے پیچھے بھی اس حقیقی وحدت کا فقدان ہی ذمہ دار ہے جس کی ظاہری تصویر ہمیں ہر سال حج کے موسم میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ حج کے ارادہ سے حرمین پہنچنے والا مسلمان ہر سال اس امید میں توجہ کرآتا ہے کہ اس کے ماضی کے تمام گناہ ڈھل گئے اور اس کو نئی زندگی اور نئی تازگی حاصل ہوگئی لیکن مسائل و مشکلات کے زخم سے لہولہان امت اسلامیہ گزشتہ کئی صدیوں سے اپنے زخم چاٹ رہی ہے اور امید کرتی رہتی ہے کہ اس کا زخم مندمل ہوجائے اور وہ نئی قوت کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوتا کہ وہ اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکے اور عالمی قیادت کا اپنا وہ کام پورا کرسکے جس میں اسلام کا عدل اور اس کی رہنمائی کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہو لیکن ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔ پوری انسانی آبادی ظلم و ناانصافی کی مار سے چیخ رہی ہے اور مسلمانوں کی طرف امید سے دیکھ رہی ہے کیونکہ ان قوموں نے اسلام کا عالمی منشور پڑھا ہے۔ اس کے باوجود مسلم دنیا اس آواز پر کان نہیں دھر رہی ہے۔ حالانکہ یہ ان کا بنیادی کام اور اولین ذمہ داری تھی۔ ہر سال مسلمان جب حج کے ارکان کو ادا کرنے کے لئے اکٹھا ہوتے ہیں تو یہ سوال نئے سرے سے اٹھتا ہے کہ مسلمان حقیقت کی زمین پر کیوں نظر نہیں آتے ہیں؟ جواب نہ ملنے کی وجہ سے مزید اگلے سال کیلئے ٹل جاتا ہے۔ مسلم دانشوران اور قائدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کو سمجھیں کہ حج کے مقاصد کا تعلق زندگی کے تمام پہلوؤں سے ہے۔ ایک طرف جہاں اس کا تعلق عقیدہ و شریعت سے ہے وہیں دوسری طرف اس کا ربط علم و فکر، اقتصاد و معاش اور معاشرہ کے مسائل سے بھی گہرا ہے۔ اسی طرح حج کی حیثیت فردی ہونے کے ساتھ اجتماعی بھی ہے جو پوری امت پر مشتمل ہے اور توسیعی طور پر اقوام عالم کی بہبودی کا خاکہ پیش کرنا اس کا مطمح نظر ہے۔ لیکن دکھ کی بات ہے کہ مسلمان خود حج کے وسیع معنی و مفہوم کو نہیں سمجھتے ہیں جبکہ اسلام کے دشمن اس کی حیثیت و حقیقت سے واقف اور اس کے متوقع گہرے نتائج سے لرزاں نظر آتے ہیں۔

> ہزار تفرقوں اور چھوٹے بڑے حصوں میں منقسم ہونے کے باوجود حج مسلمانوں کو ایک ساتھ جمع ہونے کا پلیٹ فارم عطا کرتا ہے۔ اسلام دشمن عناصر خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں یہ امت حج کے اس جوہر اور اس کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ظلم پر مبنی عالمی نظام کے لئے سخت آزمائش ثابت ہوجائے گا۔

حج کی اتنی اہمیت اس لئے ہے کیونکہ یہ صرف اپنی ذات کی تشکیل نو کا مؤثر ذریعہ ہی نہیں بلکہ امت کی تشکیل نو کا تخم بھی اسی میں مضمر ہے۔ یہ روئے زمین پر ایک قسم کا عالمی کانفرنس ہے جس میں مسلمانوں کی وحدت ظاہر ہوتی ہے۔ ہزار تفرقوں اور چھوٹے بڑے حصوں میں منقسم ہونے کے باوجود حج مسلمانوں کو ایک ساتھ جمع ہونے کا پلیٹ فارم عطا کرتا ہے۔ اسلام دشمن عناصر خوف زدہ رہتے ہیں کہ کہیں یہ امت حج کے اس جوہر اور اس کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو یہ ظلم پر مبنی عالمی نظام کے لئے سخت آزمائش ثابت ہوجائے گا۔ کیونکہ حج میں وہ صلاحیت موجود ہے کہ یہ امت کی خوابیدہ قوتوں کو بیدار کرکے انہیں تمام امراض و آفات سے آزاد کردے اور اسے ایک ایسی ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کردے جس کا مقابلہ کوئی ہتھیار نہ کرسکے۔ آخر امریکی مستشرق لوتھروب اسٹیوڈارڈ نے بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں لکھی اپنی کتاب 'حاضر العالم الاسلامی' میں یہ کیوں لکھا کہ مسلمانوں کی وحدت کی بنیاد صرف دو چیزوں پر ٹکی ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی تیسری چیز ایسی نہیں ہے جو ان دونوں سے زیادہ امت اسلامیہ کی وحدت کو باقی رکھنے میں اپنا کردار ادا کرسکے۔ ایک حج اور دوسری خلافت۔ لوتھروب نے اس کے بعد مغربی دانشوران کو اس غلطی پر متنبہ کیا ہے کہ وہ صرف خلافت کو مسلمانوں کی وحدت کا عنصر سمجھتے ہیں۔ اس کے بعد بہت تفصیل کے ساتھ حج کی مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں اور اس کی معنویت، اختلاف زبان و مکان کے باوجود مسلمانوں کا آپس میں ملنا، ایک دوسرے سے اسلامی جذبات کو شیئر کرنا اور پھر ہر ایک کے حالات سے باخبر ہوکر اپنے اپنے ملکوں میں لوٹ کر اس حال میں جانا کہ وہ جسد واحد کی طرح سوچتے ہوں اور ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کے تئیں سنجیدہ ہونا اور اسلامی مصالح کی بنیاد پر سب کا یک جہت ہونا یہ ایسے عناصر ہیں جو کسی بھی قوم کو اوج ثریا تک پہنچانے کے لئے کافی ہیں۔ ماضی میں حج کی اسی سیاسی و سماجی اہمیت کو پیش نظر رکھ کر اسلامی بیداری کی راہ میں اپنا رول ادا کرنے والی اسلامی شخصیات جن میں محمد بن عبدالوہاب، امام سنوسی، جمال الدین افغانی اور عبدالرحمٰن کواکبی شامل ہیں ان حضرات نے حج کے میدان سے اسلامی عظمت کی اہمیت بتانے اور مسلم دنیا کو رہنمائی فراہم کرنے کے لئے استعمال کیا جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے، لیکن آج کل حج کے موسم کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ عدد کے اعتبار سے تو مسلمانان عالم بڑی تعداد میں وہاں مناسک حج کی ادائیگی کے لئے جمع ہوتے ہیں اور اپنی ذات کی اصلاح کی امید سے واپس آتے ہیں لیکن اس کا جو ایک دوسرا بڑا مقصد ہے جس کے ذریعہ امت کی تشکیل نو کا کام کیا جانا چاہئے وہ مفقود ہے۔ جب تک اس عددی قوت کو مقاصد حج کے عالمی پیغام کے ساتھ ہم آہنگ کرکے ایک نئی فکری و علمی قوت میں تبدیل نہیں کیا جائے گا تب تک غزہ و فلسطین ہی کیا سوڈان و عراق اور لیبیا کے مسائل بھی حل نہیں ہوں گے اور مغربی و امریکی ماتحتی کا سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا جائے گا۔

مضمون نگار سینٹر فار انڈیا ویسٹ ایشیا ڈائیلاگ کے وزیٹنگ فیلو ہیں

کیا مودی 3.0 میں طرز حکومت مختلف ہوگی؟

اسد مرزا

تجزیہ

ہندوستان میں مخلوط حکومتوں کا قیام کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اب سے قبل بھی دنیا کی سب سے زیادہ آبادی والی جمہوریت میں چھ یا چھ سے لے کر بارہ سیاسی جماعتوں پر مشتمل مختلف حکومتیں قائم کی جاچکی ہیں اور ان میں سے اکثر نے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

1989 سے 2004 تک ہندوستان کے 6 عام انتخابات میں سے کسی ایک سیاسی جماعت کو پارلیمان میں اکثریت حاصل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے اس دور میں مخلوط حکومتوں کا ایک طویل عرصہ حکومت پر قبضہ رہا۔ ان میں سے کچھ اتحاد خاص طور پر افراتفری کا شکار رہے ہیں: 1989 اور 1999 کے درمیان، 8 مخلوط حکومتیں قائم ہوئی تھیں اور وہ بہت ہی جلد ٹوٹ بھی گئیں۔ لیکن دوسری جانب اگر ہم جائزہ لیں تو پائیں گے کہ ہندوستان کی کچھ سب سے اہم اقتصادی اصلاحات اور سب سے زیادہ شرح نمو مختلف مخلوط حکومتوں کے دور میں آئی، جن کی قیادت ماضی میں کانگریس اور بی جے پی دونوں نے کی ہے۔

اب 2014 کے بعد پہلی بار ہندوستان میں مخلوط حکومت قائم ہوئی ہے جس میں کسی ایک پارٹی کی اکثریت نہیں۔ بی جے پی کے نریندر مودی، جو تیسری مدت کے لیے وزیر اعظم کے طور پر مقرر ہوئے ہیں، انہوں نے اپنی اکثریت کو دوبارہ عوام میں حمایت حاصل کرنے والی اپوزیشن کی وجہ سے کم ہوتے دیکھا ہے اور اب وہ بنیادی طور پر پارلیمانی اکثریت کے لیے اپنے قومی جمہوری اتحاد (NDA) میں دو اتحادیوں پر انحصار کریں گے۔ لیکن کیا مسٹر مودی، جنہوں نے ریاست گجرات کے وزیر اعلیٰ اور ہندوستان کے وزیر اعظم کی حیثیت سے ہمیشہ اکثریت کے ساتھ حکومت کی اور ایک دہائی تک قومی سیاست پر اپنا غلبہ قائم رکھا ہے، کیا وہ کوئی اتحادی حکومت چلاسکیں گے؟ کیا وہ اپنا دبنگ انداز چھوڑ کر مختلف علاقائی اتحادیوں کو ساتھ لے کر چل سکیں گے؟ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسٹر مودی کے لئے اتحاد میں ہموار سفر کرنے کا امکان بہت مشکل ہے۔ کیونکہ بنیادی طور پر انہیں ایک ایسا شخص مانا جاتا ہے جو سب کچھ اپنی انا کی خاطر کرتا ہے، کیونکہ وہ نرگیسیت کا شکار ہے اور کسی دوسرے کو اپنے سے آگے جاتے یا مقبول ہوتے نہیں گوارا کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ حکومت سازی کا ان کا انداز بھی کوئی مخالفت تسلیم کرنے کے لیے کبھی تیار نہیں ہوسکتا لیکن اب مسٹر مودی کو جن دو اتحادیوں پر سب سے زیادہ انحصار کرنا ہے وہ دو علاقائی پارٹیاں جنتا دل (متحدہ) اور تیلگو دیشم پارٹی (ٹی ڈی پی) ہیں۔ ان کے درمیان 28 نشستیں ہیں۔ دونوں کی قیادت تجربہ کار اور ہوشیار لیڈر کر رہے ہیں اور دونوں ہی اپنی ریاستوں میں کافی مقبول ہیں۔ بالترتیب نتیش کمار اور این چندرابابو نائیڈو جو پہلے بی جے پی کی زیرقیادت وفاقی مخلوط حکومتوں میں خدمات انجام دے چکے ہیں اور پھر حکمراں جماعت کے ساتھ اختلافات کی وجہ سے، خاص طور پر مسٹر مودی کی وجہ سے، این ڈی اے چھوڑ چکے ہیں تو ان کے ساتھ مسٹر مودی کے چلنے پر شکوک و شبہات ضرور قائم رہیں گے۔ کیونکہ ان تینوں میں سے ہر ایک اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کے لیے مرکزی حکومت کے لیے اڑچنیں پیدا کرسکتے ہیں۔ 2019 میں آندھرا پردیش کے چیف منسٹر کے طور پر خدمات انجام دیتے ہوئے مسٹر نائیڈو نے مسٹر مودی کو ''دہشت گرد'' قرار دیا تھا، لیکن اب وہ انہیں کے ساتھ حکومت قائم کررہے ہیں۔ واقعی سیاست میں کوئی کسی کا دوست یا دشمن ہمیشہ نہیں رہتا۔ مزید براں صرف دو یا تین اتحادیوں پر منحصر اتحادی حکومتوں کے خاص طور پر گرنے کا خطرہ ہمیشہ لاحق رہتا ہے۔ کیونکہ اگر ایک بھی جماعت اپنی حمایت واپس لے لے، تو حکومت ڈھیر ہو جاتی ہے۔ بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ مسٹر مودی کی قیادت میں مخلوط حکومت ایک صحت مند جمہوریت کے قیام میں ایک بااثر کردار ادا کرسکتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس سے وزیر اعظم کے غلبے کو کم کیا جا سکتا ہے، گورننس کو مرکزیت حاصل ہوسکتی ہے، چیک اینڈ بیلنس میں اضافہ ہوسکتا ہے، اپوزیشن کا حوصلہ بڑھ سکتا ہے اور بیوروکریسی، عدلیہ اور میڈیا جیسے اداروں کو مزید خودمختار بنایا جاسکتا ہے،

> مسٹر واجپئی نے جوہری تجربات پر دہائیوں پرانی پابندی ختم کی، پاکستان کے ساتھ تناؤ کم کیا اور امریکہ کے ساتھ بھی قریبی تعلقات استوار کئے۔ اس کا زیادہ تر تعلق مسٹر واجپئی کے متفقہ انداز سے تھا۔ لیکن مسٹر مودی کا اتحاد ماضی کے اتحاد سے کافی مختلف ہے۔

لیکن درحقیقت یہ ایک دیوانے کا خواب ہی لگتا ہے۔ اس سے اٹل بہاری واجپئی، جو کہ بی جے پی کے اہم لیڈروں میں سے ایک ہیں، انہوں نے 1998 سے 2004 تک ایک کامیاب کثیر الجماعتی مخلوط حکومت چلائی۔ انہوں نے سرکاری اداروں کی نجکاری کی، غیر ملکی سرمایہ کاری کی سہولت فراہم کرائی، ملک میں ایکسپریس وے بنوائے، تجارتی رکاوٹوں کو کم کیا اور یہاں تک کہ آئی ٹی انقلاب بھی لائے۔ کیونکہ مسٹر واجپئی میں سب کو ساتھ لے کر چلنے کا فن کمال کا تھا جبکہ موجودہ منظر نامے میں ہمیں اس کا فقدان نظر آتا ہے۔ مسٹر واجپئی نے جوہری تجربات پر دہائیوں پرانی پابندی ختم کی، پاکستان کے ساتھ تناؤ کم کیا اور امریکہ کے ساتھ بھی قریبی تعلقات استوار کئے۔ اس کا زیادہ تر تعلق مسٹر واجپئی کے متفقہ انداز سے تھا۔ لیکن مسٹر مودی کا اتحاد ماضی کے اتحاد سے کافی مختلف ہے۔ اکثریتی حکومت کے لیے درکار 272 سے کم سیٹیں حاصل کرنے کے باوجود بی جے پی نے پھر بھی 240 سیٹیں حاصل کیں، اس لیے وہ ایک بااثر اور غالب اتحادی لیڈر بنی ہوئی ہے۔ ماضی میں اس سے بھی کم سیٹوں کے ساتھ کامیاب اقلیتی حکومتیں چلائی گئی ہیں۔ کانگریس 1991 میں 232 سیٹوں کے ساتھ اور 2004 اور 2009 میں صرف 145 اور 206 سیٹوں کے ساتھ اقلیتی حکومت چلانے میں کامیاب رہی ہے۔ مزید براں، مسٹر مودی ایک جارحانہ بی جے پی کی قیادت کرتے نظر آتے ہیں اور اب ان سے اور ان کی پارٹی سے اپنے پرانے رویے کو چھوڑنے کی امید رکھنا بیکار ثابت ہوسکتا ہے، کیونکہ جب آپ ایک خاص طرز عمل کے یا ایک خاص ذہنیت کے عادی بن جاتے ہیں تو اس میں بدلاؤ لانا آسان نہیں ہوتا ہے۔ ماضی میں بی جے پی کے زیرقیادت اتحادوں نے اپنے اتحادیوں کے مطالبات کو پورا کرنے کے لیے پارٹی کے اہم نظریاتی اور پولرائزنگ مسائل کو پس پشت رکھا تھا جبکہ اب پارٹی کا زیادہ تر ایجنڈا — کشمیر کی خودمختاری کو منسوخ کرنا، رام مندر کی تعمیر — مسٹر مودی کی قیادت میں پہلے ہی حاصل ہو چکے ہیں۔ کیا اب ان کے اتحادی ان سے اپنی تفرقہ انگیز بیان بازی کو کم کرنے پر زور دیں گے، خاص طور پر مسلمانوں کے خلاف، جسے انہوں نے انتخابی مہم کے دوران بہت زیادہ غلط انداز میں استعمال کیا تھا؟

مؤثر اتحادی سیاست ایک بلاک کے طور پر کام کرنے اور چیک اینڈ بیلنس پیش کرنے کے لیے اجتماعی کارروائی کا مطالبہ کرتی ہے۔ اب اہم سوال یہ ہے کہ اتحادی شراکت دار اور بی جے پی کن اہم مسائل پر متفق ہو سکتے ہیں؟ مسٹر مودی کی پارٹی بیک وقت وفاقی اور ریاستی انتخابات کرانے کے متنازع منصوبے پر زور دے رہی ہے، جسے ہندوستان نے 1967 میں ترک کر دیا تھا۔ ان کی پارٹی نے ایک یکساں سول کوڈ یا یوسی سی، تمام شہریوں کے لیے ایک واحد پرسنل لاء کے نفاذ کا وعدہ بھی کیا ہے، بلالحاظ مذہب اور اس کے علاوہ جنس اور جنسی رجحانات کی پالیسیوں کی ماضی میں ملک کے اکثریتی ہندوؤں اور اقلیتی مسلمانوں دونوں نے مخالفت کی ہے۔ اس کے بعد 2026 کے بعد پارلیمانی حدود کو دوبارہ بنانے کا نازک مسئلہ بھی ہے۔ امیر، کم آبادی والی جنوبی ریاستوں کو خدشہ ہے کہ مسٹر مودی پارلیمنٹ کی توسیع کریں گے، جس میں سیٹوں کی تعداد ان کی پارٹی کے حق میں ہوگی، کیونکہ وہ زیادہ غریب، زیادہ آبادی والی ریاستوں جیسے کہ بہار اور اتر پردیش میں نشستوں کی تعداد بڑھا سکتے ہیں تاکہ ان کی پارٹی کو آئندہ کبھی کسی اتحاد کا سہارا نہ لینا پڑے اور وہ ہمیشہ اپنے بل بوتے پر حکومت قائم کرسکیں۔

ایسا نہیں ہے کہ صرف سیاسی تجزیہ نگار، سیاسی رہنما اور عام آدمی ہی مسٹر مودی کے رویے کے تئیں فکرمند ہیں بلکہ زیادہ خدشات رکھتے ہیں۔ چند ہی روز قبل بی جے پی کی نظریاتی تنظیم آر ایس ایس کے لیڈر موہن بھاگوت نے اپنے ایک اچانک آنے والے بیان میں کہا کہ حکومت صرف اپنی انا کی خاطر ہی نہیں کی جاسکتی ہے، اس کے لیے آپ کو اپنی اتحادی جماعتوں سے اور اپنی پارٹی کے سینئر رہنماؤں سے بھی صلاح و مشورہ کرنا ضروری ہوتا ہے۔ مسٹر بھاگوت نے اپنے بیان میں مسٹر مودی کا نام نہیں لیا، لیکن ان کا اشارہ بالکل واضح تھا کہ آر ایس ایس بھی مسٹر مودی کے طرز حکومت سے نالاں ہے، کیونکہ وہ ہر سیاسی فیصلے میں اپنے آپ کو شامل رکھنا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ماتحتوں کو زیادہ اختیارات نہیں دینا چاہتے ہیں۔ ان سب کی روشنی میں ہمیں مودی 3.0 کے طرز عمل میں کوئی خاص تبدیلی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اس کا ایک دوسرا حالیہ نمونہ اس سے بھی ظاہر ہے کہ دونوں اتحادی جماعتوں نے کابینہ کے عہدوں پر کوئی چوں چاں نہیں کی جبکہ اس سے قبل یہ افواہیں پھیل رہی تھیں کہ وہ شاید وزیر داخلہ کے عہدے پر کسی اور کو دیکھنا چاہیں، لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا جس سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ مودی 3.0 میں بھی سارے اختیارات مسٹر مودی کے پاس ہی موجود ہیں۔

(مضمون نگار سینئر سیاسی تجزیہ نگار ہیں، ماضی میں وہ بی بی سی اردو سروس اور خلیج ٹائمز دبئی سے بھی وابستہ رہ چکے ہیں)

آئینہ

جس پہ چلتے ہیں مصطفیٰ والے
یہ تو سنّت ترے خلیل کی ہے
حکمِ رب کی کرے اطاعت جو
یہ محبت تو اسماعیل کی ہے

جاوید مشیری

عیدالاضحیٰ اسلام کا مقدس تہوار

مکرمی! عیدالاضحیٰ مذہب اسلام کا انتہائی مقدس و پاکیزہ تہوار ہے۔ اس دن مسلمان نہا دھوکر صاف ستھرے کپڑے زیب تن کرکے عیدگاہ روانہ ہوتے ہیں اور اللہ رب العزت کی عظمت و کبریائی بیان کرتے ہوئے دوگانہ ادا کرتے ہیں۔ اس دن رحمت الٰہی جھما جھم برستی ہے اور پوری فضا مشکبار ہوجاتی ہے۔ نماز بقرعید کے بعد صاحب حیثیت مسلمان مخصوص جانوروں کی قربانی راہ خدا میں پیش کرتے ہیں۔ قربانی اللہ کے پیارے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت ہے، جو امت محمدیہ کے ہر صاحب نصاب فرد پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت واجب قرار دی گئی ہے۔ مسلمان قربانی کو اہم ترین فریضہ تصور کرتے ہیں اور پورے جذبہ واخلاص کے ساتھ اس اہم فریضہ کو انجام دیتے ہیں۔

اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے اور اس کا نظام آفاقی ہے۔ اسلام میں انسانیت کی خیرخواہی پر بہت زور دیا گیا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے قربانی کے گوشت کو عزیز و اقارب کے ساتھ غریبوں میں تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ غریبوں کی مدد ہوسکے اور عیدالاضحیٰ کی خوشی میں وہ بھی برابر کے شریک رہیں۔ اس کے علاوہ گاؤں، دیہات میں رہنے والے لاکھوں غریب انسان جانور پال کر اس موقع پر انہیں اچھی قیمت میں فرخت کرتے ہیں، لاکھوں غریب قصاب قربانی کی برکت سے حلال رزق کماتے ہیں اور بے شمار غریب چارہ وغیرہ بیچ کر اپنی مالی حالت بہتر کرتے ہیں۔ لہٰذا قربانی جہاں ایک اہم ترین عبادت ہے وہیں غریبوں کی خدمت کرنے کی ایک حسین صورت بھی ہے۔ آج عالمی سپر پاور طاقتیں انسانیت کی ہمدردی کا دم بھرتی ہیں، دوسری طرف کمزور و نہتے افراد پر ظلم و ستم کے پہاڑ بھی ڈھاتی ہیں۔ مغرب کی جانب سے اٹھنے والا فلاح انسانیت کا نعرہ بظاہر بہت خوشنما معلوم ہوتا ہے، لیکن گزشتہ 8 ماہ سے فلسطین اور غزہ کے مسلمانوں پر اسرائیل کی اندھا دھند بمباری نے (جس میں ہزاروں بے گناہ افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ کئی ہزار بچے، خواتین اور بزرگ زخموں سے کراہ رہے ہیں) یہ ثابت کردیا ہے کہ ان کا یہ نعرہ محض ایک کھوکھلا دعویٰ ہے۔ اس وقت فلسطینی مسلمانوں کی حالت انتہائی قابل رحم ہے۔ ان کے مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہوچکے ہیں، کھیتیاں، کاروبار اور مویشی تباہ ہوچکے ہیں، وہ بے بسی کے عالم میں گھٹ گھٹ کر جینے پر مجبور ہیں۔ بشمول مسلم ممالک پوری دنیا خاموش تماشائی ہے اس لیے اسرائیل ظلم سے باز نہیں آرہا ہے۔ صرف فلسطین ہی نہیں آج دنیا پر سب سے زیادہ ظلم صہیونی طاقتیں ڈھارہی ہیں اور ان کے ظلم کا شکار زیادہ تر مسلمان ہیں۔ جب کہ اسلام امن کا داعی ہے۔ اسلامی تعلیمات میں اپنے جانی دشمن تک کو معاف کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔ اس کے باوجود آج عالمی منظرنامے پر اسلام کی شبیہ مسخ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے کردار و عمل کے ذریعہ مخالفین اسلام کی سازشوں کو ناکام بنائیں۔ اسلام امن کا پیامبر ہے۔ اس کی بہترین مثال عیدالفطر و عیدالاضحیٰ کے دن بھی دیکھنے کو ملتی ہے۔ پورے ملک میں نہایت امن و امان کے ساتھ یہ دونوں تہوار منائے جاتے ہیں، عیدگاہ و مساجد میں جمع ہوکر مسلمان نماز پڑھتے ہیں، قربانیاں کرتے ہیں لیکن کہیں کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہیں آتا۔ مسلم نوجوان پولیس انتظامیہ کی مدد کرکے آپسی بھائی چارہ اور وطن دوستی کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔

عیدالاضحیٰ مسرت و شادمانی، خلوص و ایثار اور مل جل کر خوشی منانے، خوشیاں بانٹنے کا دن ہے۔ اس مقدس دن، ملک میں امن و امان کے ساتھ مظلوم فلسطینی مسلمانوں کی بقا و تحفظ اور ان کی کامیابی و کامرانی کے لیے خصوصی دعا کریں اور صفائی و ستھرائی کا خاص خیال رکھیں۔ اللہ رب العزت تمام مسلمانوں کو عیدالاضحیٰ کی برکتوں سے مالا مال فرمائے آمین۔

مولانا محمد عرفان قادری
استاذ مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، بڑا چاند گنج، لکھنؤ

مراسلات

مراسلہ نگار کی رائے سے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

نوٹ: ادارتی صفحے پر شائع مضامین میں مضمون نگاروں کے ذریعہ ظاہر کی گئی آرا ان کی ذاتی ہیں اور ادارہ اس کیلئے کسی طرح سے ذمہ دار نہیں ہے۔

ہمیں فخر ہے کہ ہم ہندوستانی ہیں
سہارا انڈیا ماس کمیونی کیشن کیلئے پرنٹر و پبلشر **ضیاء قادری** نے 123/474 کالپی روڈ، فضل گنج، کانپور-208012 سے شائع کیا۔
Published & Printed by **Zia Qadree**, on behalf of Sahara India Mass Communication and Printed at Rashtriya Sahara, 123/474, Kalpi Road, Fazal Ganj, Kanpur -208012 and Published From 123/474, Kalpi Road, Fazal Ganj, Kanpur-208012
Editor & Group Editor: **Abdul Majid Nizami** (editor.nizami@gmail.com) Resident Editor: **Habibur Rahman** (habeebzaki@gmail.com) *حبیب الرحمٰن :ریزیڈنٹ ایڈیٹر ■ ایڈیٹر اینڈ گروپ ایڈیٹر: عبدالماجد نظامی
For Editorial/News: rsahara1@gmail.com ■ Advertisement (National): ■ 0-9891773434, 9899452476 Email: adsahara@gmail.com
www.roznamasahara.com سرکولیشن: 9451287201 ٹیلی فون نمبر کانپور: 6394558077 ای میل کانپور: simurduknp@gmail.com
* اس شمارہ میں شامل شائع شدہ تمام خبروں کے انتخاب اور ایڈیٹنگ کیلئے ذمہ دار
R.N.I. No.UPURD/2011/38804 Roznama Rashtriya Sahara (Kanpur) شمارہ نمبر: 4539 سال: 14
روزنامہ راشٹریہ سہارا
○ حب الوطنی ○ فرض شناسی ○ ایثار